

تہائی کا جن

قریشی صاحب سے دوستی پر انی نہیں ہے۔ صرف دوڑھائی برس پہلے کا ذکر ہے۔ قریشی صاحب ستر برس کے لگ بھگ ہیں۔ سات دہائیوں سے چند برس نیچے یا شاندزیادہ۔ جسمانی ساخت سے تقریباً پچاس برس سے زیادہ بالکل معلوم نہیں ہوتے۔ ملاقات بھی عجیب طریقے سے ہوئی۔ مجھے سکول کے زمانے سے لیکراپ تک تیرنے کا شوق ہے۔ گرمیوں میں مقامی کلب اور سر دیوں میں سول افسروں کے میس میں گرم پانی کے سوئمنگ پول میں شوق پورا کرتا ہوں۔ بذاتِ خود تیرا کی ایک بہت بڑا مضمون ہے۔ اس پر کسی اور وقت لکھوں گا۔

دو برس پہلے، تیرا کی سے فارغ ہو کر، باہر کر سی پر بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی صحت مند بزرگ تشریف فرماتھے۔ انہیں کئی مہینوں سے دیکھ رہا تھا مگر کبھی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ اس دن سلسلہ شروع ہوا۔ مجھے قریشی کہتے ہیں۔ ابتدائی تعارف میں مکمل بے ساختگی تھی۔ خیر تھوڑے سے عرصے میں دوستی ہو گئی۔ پچاس منٹ تیرنے کے بعد قریشی صاحب، کافی کا ایک کپ پیتے تھے۔ یہ بات چیت کا بہترین وقت ہوتا تھا۔ تعجب ہوا جب انہوں نے اپنی اصلی عمر بتائی۔ تاریخ پیدائش ملک بننے سے پہلے کی تھی۔ بڑھاپے میں اتنی پھر تی، اتنی بھر پور صحت بہت عرصے بعد دیکھنے کو ملی تھی۔ ایک دن ہم دونوں سوئمنگ پول کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی کا ایک کپ پیتے کے بعد دوبارہ کافی منگوائی۔ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ انہوں نے کافی کے دو کپ منگوائے ہوں۔ چھرے پر سوال دیکھ کر کہنے لگے، آج میری "بر تھڈے" ہے اور اسے صرف اپنے ساتھ منا رہا ہوں۔ دوسری کافی میرا بر تھڈے گفت ہے۔ قریشی صاحب ترنگ میں تھے۔ ان سے وہ سوال کیا جو تقریباً ایک سال سے میرے دماغ میں تھا۔ آپکی اچھی زندگی اور صحت کا کیا راز ہے۔ یہ سوال اسکے لیے مکمل طور پر غیر متوقع تھا۔ زور سے کہنے لگے، ڈاکٹر! بڑی مشکل بات پوچھ لی ہے۔ اب جواب غور سے سنو اور مکمل طور پر سنو۔ پچاس برس کی عمر تک بہت اچھی زندگی گزاری۔ کار و بار کیا۔ اچھے پیسے کمائے۔ ہر وقت ذہن میں یہی دھن سنوار رہتی تھی کہ بچوں کو سیٹل کرنا ہے۔ خیر انکو بھی کار و بار کروا کر دیدیا۔ وہ بھی دولت میں کھلینے لگے۔ پھر بڑے بیٹے کے ذہن میں بھوت سوار ہوا کہ بہتر زندگی کیلئے، کینیڈا منتقل ہونا ہے۔ کیونکہ اب تمام فیصلے خود کرتا تھا۔ لہذا میں نے انکار نہیں کیا۔ بیٹا صرف ایک ہے۔ باقی بیٹیاں ہیں۔ خیر، کینیڈا منتقل ہونے میں دوسال کا عرصہ لگا۔ پر اس دوسال میں مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی کہ گھر تو خالی ہو جائیگا۔ بیٹیاں بیاہی جا چکی ہیں۔ اب بیٹا بھی چلا جائیگا تو پھر کیا ہوگا۔ ہاں، ایک بات بتانا بھول گیا۔ بیوی کا انتقال اس وقت ہوا جب سرمد چھوٹا سا تھا۔ سرمد، قریشی صاحب کے بیٹے کا نام ہے۔ دوسری شادی نہیں کی۔ صرف اسیے کہ مرد جب دوسری شادی کرتا ہے، تو وہ اپنی اولاد کیلئے اجنبی سا تیرسا انسان بن جاتا ہے۔ خیر سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ بیٹا بڑے آرام سے کینیڈا منتقل ہو گیا۔ گھر میں اکیلارہ گیا۔ اس وقت عمر تقریباً ساٹھ برس ہو چکی تھی۔ گھر، اس قدر خالی ہو چکا تھا کہ ہول آتا تھا۔ روز فیکٹری جانا بھی عجیب سالگتتا تھا۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بستر سے خود ہی زبردستی نکالتا تھا۔ پھر لا ونچ میں گھنٹوں بیٹھا اخبار پڑھتا رہتا تھا۔ پرانے دوستوں سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی

تو اکثر کہتے کہ چلو کسی عورت کو سہارا دینے کیلئے شادی کرو۔ کم از کم کوئی بات کرنے والا تو موجود ہوگا۔ مگر مجھے یہ تجویز پسند نہیں آتی تھی۔ اسی طرح، پورا ایک سال گزر گیا۔ ایک دن، ٹی وی پر جانوروں کا چینی Animal Planet دیکھ رہا تھا۔ دیکھا کہ ہاتھیوں کا ایک جھنڈ شدید خشک سالی میں بھی اکٹھا رہتا ہے۔ کوئی بھی دوسرے جانور کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ دماغ میں پتہ نہیں کیا خیال آیا۔ تحقیق کرنے لگا کہ جنگلی جانوروں کی اکثریت کیسے رہتی ہے۔ جواب بے حد آسان تھا۔ اکثر جانور، گروہ کی صورت میں رہتے ہیں۔ ضمیں سوال اٹھا کہ اگر اسکیلے رہ جائیں تو کیا ہوتا ہے۔ تجزیے کا نتیجہ خوفناک تھا۔ اکیلا جانور بہت تھوڑے سے عرصے کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے مرجاتا ہے۔ جب اسی معا靡ے کو انسانوں میں دیکھا تو متانِ حیران کن حد تک یکساں تھے۔ پختہ عمر کے اکثر لوگ، تہائی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ زندگی کے تجربات کو یکسانیت کا بھالا بنا کر روح میں اُتار لیتے ہیں۔ تلخیوں کو کرید کرید کر زندہ رکھتے ہیں۔ سوچ کو اس قدر منفی کر لیتے ہیں کہ اولاد، رشتہ دار اور دوست ملنے سے بھی کتراتے ہیں۔ اپنی کامیابیوں کو بھول کر، صرف اور صرف زندگی کے حوادث کو اوڑنا پچھونا بنا دیتے ہیں۔ چند سال میں ہی، کسی مہلک بیماری کو تمغہ کی طرح سینے پرسجائے، قبر میں اُتر جاتے ہیں۔ ایک چیز جو جانور ہر وقت یاد رکھتے ہیں کہ جنگل میں گروہ کی صورت میں رہنا ہے۔ ہرگز ہرگز تہائی نہیں رہنا۔ یہ دانا اور بزرگ لوگ یکسر اس اہم نکتے کو بھول جاتے ہیں۔ قریشی نے کافی کی چسکی لگاتے ہوئے کہا، یہی نکتہ گرہ سے باندھ لیا۔ اپنے آپکو لوگوں سے جوڑنے کا نایاب فن سیکھ لیا۔

میرا سوال تھا، مگر کیسے۔ قریشی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، دن میں ساری نمازیں دفتر یا اپنے کمرے میں بیٹھ کر پڑھتا تھا۔ وجہ یہ کہ گھٹنوں کے بل بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ سب سے پہلے گاڑی کی ڈگی میں ایک فولدنگ چیز رکھوائی۔ فخر کی نماز، نزدیک مسجد میں پڑھنے چلا گیا۔ کرسی نکال کر کونے میں رکھی اور جب جماعت ہوئی تو صفات کے آخر میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے لگ گیا۔ اسی طرح، دن میں جتنی بھی نمازیں ہوتیں۔ نزدیک ترین مسجد میں پڑھنا شروع کر دیں۔ پہلی ثابت بات یہ ہوئی کہ اپنے علاقے کے لوگوں سے شناسا ہو گیا۔ ڈیفینیس میں محلہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ مگر میں نے نزدیک ترین لوگوں سے ملنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں توہر کوئی اکیلا ہے۔ اپنی اس سوچ کو لوگوں سے "شیئر" کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ حیران کن تھا۔ ہر عمر کے لوگوں نے مجھ پر اپناز ہن کھولنا شروع کر دیا۔ صحیح کا وقت بے حد خوش گوارگزرنے لگا، دوسرا بات جو فی الفور کی، کہ ہفتے میں تین دن گھر کے نزدیک پارک میں جانا شروع کر دیا۔ پہلی بار پتہ چلا کہ اس پارک میں، ایک "یوگا گروپ" بنا ہوا ہے۔ ستر کے قریب مرد، بچے، بوڑھے، خواتین، ایک گروپ کی صورت میں ورزش کرتے ہیں۔ انکے لیے یوگا کا ایک ماہر، مفت ورزش کرواتا ہے۔ میں بھی گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک ماہ تک میں تقریباً ساٹھ ستر انسان، شناسا بلکہ دوست بن چکا تھا۔ یوگا میں جب استاد نے سر کے بل کھڑے ہونے کیلئے کہا، تو تفریباً بیہوش ہونے والا ہو گیا۔ کیسے کروں گا۔ تین بار کوشش کی مگر ہر بار گر جاتا تھا۔ میری حالت دیکھ کر ساتھ والا نوجوان اٹھا۔ ٹانگوں کو سہارا دیا اور میں تیس سینٹڈ کیلئے سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ اس مضجع کی خیز حالت میں، بے ساختہ ہنسنا شروع کر دیا۔ نوجوان نے میری طرف دیکھا۔ وہ بھی سر کے بل کھڑا ہو کر قہقہے لگانے لگا۔ ہمیں اس حالت میں دیکھ کر گروپ کے اکثر لوگوں نے مسکرانا شروع کر دیا۔ خیراب میرے پاس فیکٹری جانے سے پہلے

بھر پور مصروفیت تھی۔ یوگا گروپ میں تجویز دی کہ ہفتہ میں ایک شام سارے لوگ اپنے اپنے گھر سے ایک کھانا بنوا کر لا سئیں گے۔ کاغذ کی پلیٹوں میں سب ملکر کھانا کھا سئیں گے اور ملکر دو گھنٹے بھر پور طریقے سے گزاریں گے۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ طے ہو گیا کہ جمعہ کی شام کو ہم سارے، یہاں ملکر کھانا کھایا کریں گے۔ اب میرے پاس سات دنوں میں ایک مسکراہٹوں والی شام بھی آگئی۔ ہر طرح کی باتیں، خوشی اور غم کو شیر کرتے کرتے تین چار گھنٹے آرام سے گزر جاتے تھے۔

فیکٹری سے چھٹی کرنا چھوڑ دیا۔ ساتھ ساتھ دفتر میں بھی بیٹھنا تقریباً ختم ہو گیا۔ دن میں تین دفعہ، پوری فیکٹری کا چکر لگاتا تھا۔ ہر درکر کے پاس جا کر کام دیکھتا تھا۔ معیار جانچتا تھا۔ سب سے بڑی بات، اپنے مزدور کی ہمت بڑھاتا تھا۔ انکی مشکلات کو انپی مشکل بنانا شروع کر دیا۔ یہ حالت ہو گئی کہ سطاف اور عملے نے کئی بار، اتوار کو بھی چھٹی کرنے سے انکار کر دیا۔ فیکٹری اس درجہ بہتر ہو گئی کہ آڑڈا آنے تقریباً دو گنے ہو گئے۔ منافع کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ، پہلے کی طرح اپنے لیے اور دوسرا حصہ، اپنے ورکروں کی بھلائی کیلئے۔ انکی اولاد کی بہتر تعلیم کیلئے، انکی بیماریوں کے علاج کیلئے۔ صرف دو سال میں میں نے دوسری فیکٹری لگائی۔ صرف اسیلے کہ میرے ورکر، اب مجھے اپنا سمجھنے لگ گئے تھے۔ بالواسطہ طور پر منافع میں بھی شرکت دار تھے۔ سیٹھ اور مزدور کا تعلق کب کا ختم ہو گیا۔

سرمد، کینیڈا سے سالانہ چھٹیوں پر وطن آیا۔ تو میری روٹین دیکھ کر جیران ہو گیا۔ فیکٹری گیا تو شش در رہ گیا۔ جس طرح میرا عملہ کام کرتا تھا اس لگن سے تو یورپ میں بھی کام نہیں ہوتا تھا۔ سرمد، میرے پاس آیا، بیٹھے بیٹھے کہنے لگا، کہ بابا، آپ نے تو کمال کر دیا ہے۔ آپکو تو تہائی "راس" آگئی ہے۔ میرا جواب تھا کہ تہائی نہیں، مجھے دوستی اور شناسائی راس آچکی ہے۔ خیر ایک اور نکتہ، پانی سے ہمیشہ ڈر لگتا تھا۔ خواب میں بھی پانی نظر آتا تھا تو خوف سے اٹھ بیٹھتا تھا۔ اپنے دیرینہ خوف کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔ پینیٹھ بر س کی عمر میں ایک انسلٹ کسٹر سے تیرنا سیکھنے لگا۔ پہلے لوگ میرے اوپر ہنسنے تھے، کہ یہ بابا اس عمر میں کیا کر رہا ہے۔ مگر صرف دو مہینے میں تیراک بن گیا۔ اب میں ہفتہ میں تین چار دن، بھر پور سوئمنگ کرتا ہوں۔ پانی میرے لیے مذاق بن گیا ہے۔ میں نے اپنے بچپن کے خوف پر بھی قابو پالیا ہے۔

قریشی نے بڑے آرام سے اپنی زندگی کے آن دیکھے گو شے بیان کیے۔ پچھتر سال کے بوڑھے کے چہرے پر، بچوں جیسا سکون اور مسکراہٹ تھی۔ اٹھتے ہوئے کہنے لگا، ڈاکٹر، ہم لوگ اتنے کندڑ ہیں، کہ جانوروں تک سے سبق نہیں سکتے۔ میں نے دوبارہ زندہ رہنا، انہی جانوروں سے سیکھا ہے۔ تہائی کے جن کو بوقت میں بند کر کے زمین میں دفن کر دیا ہے۔ اب لوگوں کے ساتھ جڑ کر، زندہ رہنے کا قدرتی فن سیکھ چکا ہوں۔ ہم لوگ، اپنی بزرگی کے زعم میں، اچھے طریقے سے زندگی گزارنے کو فراموش کر دیتے ہیں۔ سمجھتے نہیں، کہ اصل قاتل تو تہائی اور اکیلا پن ہے۔ باقی تو سب کچھ بہانے ہیں!

راوِ منظر حیات